ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 474

Program: B.A. (Dars-e-Nizami)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: ہدایہ (474) • سطح: بی اے (درس نظامی)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 40

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

USMAN NOTES www.usmannotes.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب (ہدایہ) کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کریں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1: الحوالہ (قرض کی منتقلی) (20 نمبر)

سوال نمبر 1: الحوالہ پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

تعارف

انسانی معاملات میں قرض کا لین دین روز مرہ کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات ایک شخص کسی کا مقروض بھی ہوتا ہے اور کسی دوسرے سے اس کا قرض وصول بھی کرنا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر مقروض اپنے قرض خواہ کو اپنے مقروض کی طرف بھیج دے کہ تم اپنا حق اس سے لے لو، تو اسے شریعت میں "حوالہ" کہتے ہیں۔ حوالہ ایک مفید اور قدیم مالیاتی ادارہ ہے جس سے تینوں فریقوں کی سہولت ہوتی ہے، سفر میں رقم بھیجنے کی مشقت ختم ہوتی ہے اور قرض کی ادائیگی منظم ہو جاتی ہے۔ ہدایہ میں اس کا مستقل باب "کتاب الحوالۃ" ہے جس میں اس کی تعریف، شرائط اور اثرات بیان ہوئے ہیں۔ آج کے پیکیج، ڈرافٹ اور بینک ٹرانسفر کی بنیادی روح بھی حوالہ ہی ہے، چنانچہ اس کا مطالعہ قدیم فقہ کے ساتھ ساتھ موجودہ مالیات کے لیے بھی اہم ہے۔

حوالہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف

حوالہ "حول" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں منتقل کرنا، گھما دینا۔ فقہی اصطلاح میں حوالہ سے مراد ہے: دین کو ایک ذمے سے دوسرے ذمے کی طرف منتقل کر دینا۔ اس میں تین اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے: "محیل" وہ مقروض ہے جو اپنے قرض خواہ کو دوسرے کی طرف بھیجتا ہے؛ "محال" یا "محال لہ" قرض خواہ ہے جس کا حق منتقل ہوتا ہے؛ اور "محال علیہ" وہ شخص ہے جس کی طرف قرض خواہ کو بھیجا جاتا ہے اور جو اب ادائیگی کا ذمہ دار بنتا ہے۔ منتقل ہونے والے دین کو "محال بہ" کہتے ہیں۔ ایک صورت میں محال علیہ کا محیل کا مقروض ہونا عام ہوتا ہے، لیکن یہ شرط نہیں کہ اس پر لازماً محیل کا کوئی دین ہو؛ اگر کوئی شخص بغیر سابق دین کے دوسرے کا قرض اپنے ذمے لے لے تو بھی حوالہ قائم ہو جاتا ہے اور رشتہ تبرع و احسان کا ہو جاتا ہے۔

حوالہ کی مشروعیت

حوالہ قرآن و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں معاملات کی عمومی ہدایات اور باہمی تعاون کا حکم اسے شامل ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مطل الغنی ظلم، فإذا أُتبع أحدکم علی ملیٍّ فلیتبع" یعنی مال دار کا ٹال مٹول ظلم ہے، اور جب تم میں سے کسی کو کسی مال دار کی طرف بھیجا جائے (حوالہ کیا جائے) تو اسے

چاہیے کہ اس کی پیروی کرے۔ مال دار سے مراد وہ محال علیہ ہے جو ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض خواہ کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ موسر شخص پر کیا گیا حوالہ قبول کرے اور بلاوجہ انکار سے معاملات کو پیچیدہ نہ بنائے۔ صحابہ کرام کے دور سے اب تک امت کا عمل اس پر جاری ہے۔

حوالہ کے ارکان و شرائط

حوالے کی صحت کے لیے کئی شرائط ہیں۔ اول: محیل اور محال کی رضامندی ضروری ہے، کیونکہ محیل اپنے ذمے سے دین اتارتا ہے اور محال اپنا حق ایک ذمے سے دوسرے ذمے کو منتقل قبول کرتا ہے؛ دونوں کی رضا کے بغیر یہ تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ دوم: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محال علیہ کا قبول کرنا بھی شرط ہے، کیونکہ ذمے باہم متفاوت ہوتے ہیں، کسی کا ذمہ مضبوط اور کسی کا کمزور، اور کسی پر بغیر اس کی رضا کے نیا دین لادنا درست نہیں۔ صاحبین کے نزدیک محال علیہ کا قبول شرط نہیں کیونکہ حوالہ محیل و محال کے درمیان ہوتا ہے اور محال علیہ پر اس سے کوئی نیا بوجھ نہیں پڑتا اگر وہ پہلے ہی محیل کا مقروض ہو۔ سوم: محال بہ کوئی دین ثابت و معلوم ہو؛ جس دین کا وجود ہی نہ ہو اس کا حوالہ نہیں ہو سکتا، البتہ مستقبل میں ثابت ہونے والے دین پر متعلق تفصیل فقہ میں موجود ہے۔ چہارم: محیل و محال عاقل و اہل ہوں۔ پانچم: حوالہ مجلس میں صیغے سے ہو، مثلاً محیل کہے "میں نے تمہیں فلاں پر حوالہ کیا" اور محال قبول کر لے۔

حوالے کے اثرات: محیل کی براءت اور رجوع کا حق

حوالہ مکمل ہوتے ہی سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ محیل کا ذمہ اس دین سے بری ہو جاتا ہے اور دین محال علیہ کے ذمے منتقل ہو جاتا ہے۔ اب محال اپنا مطالبہ صرف محال علیہ سے کر سکتا ہے، محیل سے نہیں۔ تاہم ایک صورت میں محال کو محیل کی طرف رجوع کا حق واپس ملتا ہے اور اسے فقہ میں "توی" کہتے ہیں۔ توی کی دو مشہور صورتیں ہیں: ایک یہ کہ محال علیہ دین سے انکار کرے اور قسم کھا لے جبکہ محال کے پاس بینہ نہ ہو؛ دوسری یہ کہ محال علیہ مفلس ہو کر مر جائے اور اس کے ترکہ میں وفا کی گنجائش نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان صورتوں میں حوالہ کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے محال اصل مقروض کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ یہ شق قرض خواہ کے تحفظ کے لیے ہے تاکہ حوالہ قبول کرنے والا بے سہارا نہ ہو جائے۔ اگر محال علیہ نے ادائیگی کر دی تو معاملہ ختم؛ اور اگر محال علیہ محیل کا مقروض تھا تو اس کا دین بھی بقدر ادائیگی ختم ہو گیا۔

حوالہ مطلق اور حوالہ مقید

حوالہ کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور مقید۔ حوالہ مطلق یہ ہے کہ محیل بلا قید اپنے قرض خواہ کو محال علیہ پر بھیج دے؛ اس میں ادائیگی محال علیہ کے عام ذمے سے ہو گی۔ حوالہ مقید یہ ہے کہ ادائیگی کو کسی خاص مال یا خاص دین کے ساتھ مقید کیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ "میرا جو دین فلاں شخص پر ہے اسی سے تمہیں ادائیگی ہو گی" یا "اس مخصوص رقم/مال سے لینا"۔ مقید حوالے میں اگر وہ مخصوص مال یا دین تلف ہو جائے یا ثابت نہ ہو تو قید باطل ہونے کی وجہ سے معاملہ متاثر ہوتا ہے، کیونکہ ادائیگی کا مدار ہی ختم ہو گیا۔ اس کے برعکس مطلق حوالے میں محال علیہ کی عمومی مالی ذمہ داری برقرار رہتی ہے۔ تاہم مقید حوالے میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ جب تک محال اپنا حق وصول نہ کر لے، محیل اس مخصوص دین کو نہ خود وصول کرے نہ کسی اور کو منتقل کرے، ورنہ محال کے حق کو نقصان پہنچے گا۔

حوالہ اور کفالہ میں فرق

حوالہ بظاہر کفالہ سے ملتا ہے مگر دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ کفالہ میں کفیل کا ذمہ اصیل کے ذمے کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور اصیل بری نہیں ہوتا؛ قرض خواہ دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ حوالے میں دین منتقل ہو جاتا ہے اور محیل اصولاً بری ہو جاتا ہے، مطالبہ صرف محال علیہ سے ہوتا ہے سوائے توی کی صورت کے۔ اس لیے حوالہ نقلِ دین ہے اور کفالہ ضمِ ذمہ۔ جدید قانون میں بھی یہی فرق novation اور guarantee کے فرق سے سمجھا جاتا ہے۔ بینک ڈرافٹ، ہنڈی اور ترسیلاتِ زر میں حوالے کا تصور کارفرما ہے: بھیجنے والا اپنے بینک/ایجنٹ کو رقم دیتا ہے اور وصول کرنے والا دوسری جگہ اس کے نمائندے سے لے لیتا ہے؛ دو ذموں کے درمیان دین کی یہی منتقلی معاشی زندگی کو سہل بناتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حوالہ دین کو ایک ذمے سے دوسرے ذمے میں منتقل کرنے کا شرعی طریقہ ہے، جس میں محیل بری ہو جاتا ہے اور محال اپنا حق محال علیہ سے وصول کرتا ہے۔ اس کی صحت کے لیے محیل و محال کی رضا، دین کا ثابت و معلوم ہونا اور امام اعظم کے نزدیک محال علیہ کا قبول ضروری ہے۔ توی کی صورت میں رجوع کا حق محفوظ رہتا ہے اور

مقید حوالے میں قید کا احترام لازم ہے۔ حوالہ اسلامی فقہ کے ان اداروں میں سے ہے جنہوں نے صدیوں پہلے مالی معاملات کو وہ سہولت دی جو آج جدید بینکاری نظام کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔

سوال نمبر2: ہدایہ کی روشنی میں بیع الصرف (نقد کا نقد سے تبادلہ) (20نمبر)

سوال نمبر2: ہدایہ کی روشنی میں بیع الصرف پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

تعارف

سوناچاندی اور کرنسی کا باہمی تبادلہ تجارت کا حساس ترین باب ہے، کیونکہ یہیں سے سود (ربا) کے دروازے کھلنے کا سب سے زیادہ امکان ہوتا ہے۔ جس بیع میں ثمن کا ثمن سے تبادلہ ہو، یعنی نقد کے بدلے نقد بیچا جائے، اسے فقہ میں "بیع الصرف" کہتے ہیں: کرنسی ایکسچینج، سونے چاندی کی خرید و فروخت اور زر مبادلہ کا کاروبار اسی کے تحت آتا ہے۔ ہدایہ نے کتاب البیوع میں اس باب کو ربا کی حدیثوں کی روشنی میں بڑی احتیاط سے بیان کیا ہے۔ صرف کے احکام سمجھے بغیر نہ صراف کا کاروبار درست ہو سکتا ہے نہ عام آدمی کا سوناچاندی خریدنا۔ ذیل میں اس کی تعریف، شرائط اور عملی صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

صرف کی تعریف اور بنیادی حدیث

صرف کے لغوی معنی ہیں پھیرنا، بدلنا؛ اصطلاح میں ثمن یعنی نقدی کی ایک جنس کو دوسری جنس یا اسی جنس کے بدلے نقد بیچنا صرف کہلاتا ہے۔ اس کی بنیاد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور دست بدست ہو؛ اور جب یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو جیسے چاہو بیچو بشرطیکہ دست بدست ہو۔ اس حدیث سے دو بڑے اصول نکلے: ایک "تماثل" یعنی جنس ایک ہو تو مقدار برابر ہونا؛ دوسرا "تقابض" یعنی دونوں عوضوں پر مجلس ہی میں قبضہ ہو جانا۔ یہی دونوں اصول ربا الفضل اور ربا النسیئۃ سے بچاؤ ہیں۔

شرط اول: تقابض فی المجلس

صرف کی پہلی اور سب سے اہم شرط تقابض ہے، یعنی عقد کی مجلس ختم ہونے (فریقین کے جدا ہونے) سے پہلے دونوں طرف سے عوضوں پر قبضہ ہو جائے۔ اگر ایک طرف سے رقم مل گئی اور دوسری طرف کی ادائیگی کل پر اٹھا رکھی تو یہ ربا النسیئہ ہو جائے گا اور بیع ناجائز ہو گی۔ قبضہ حقیقی بھی ہو سکتا ہے اور حکمی بھی، مثلاً رقم بینک کھاتے میں منتقل ہو کر وصول کنندہ کے تصرف میں آ جائے تو یہ حکمی قبضہ ہے۔ اسی شرط کی وجہ سے صرف میں خیار شرط درست نہیں ہوتا، کیونکہ خیار کی وجہ سے عقد کا لزوم مؤخر ہوتا ہے اور تقابض کا مفہوم فوت ہو جاتا ہے؛ اسی طرح اجل یعنی مدت مقرر کرنا بھی صرف میں جائز نہیں۔ کرنسی ایکسچینج میں جو دکاندار نقد رقم لے کر بعد میں دوسری کرنسی دینے کا کہے، اس کا یہ عمل اسی شرط کے خلاف ہے۔

شرط دوم: ہم جنس میں تماثل (برابری)

دوسری شرط ہم جنس اشیائے ربویہ میں برابری ہے۔ سونا سونے سے بیچا جائے تو وزن میں بالکل برابر ہونا چاہیے؛ ہر گرام سونے کے بدلے ایک سو پانچ گرام سونا لینا ربا الفضل ہے، چاہے فریقین راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ چاندی چاندی سے اور پرانی کرنسی اسی ملک کی نئی کرنسی سے اسی طرح برابر بدلی جائے گی۔ یہاں کیفیت و عیار کا فرق شمار نہیں ہوتا: عمدہ سونا کم عیار سونے سے بھی وزن میں برابر ہی دیا جائے گا، البتہ اگر ساتھ کوئی اور جنس شامل ہو جائے، جیسے زیور میں نگینے یا ملاوٹ کی مستقل حیثیت ہو، تو اس کے جدا احکام ہیں۔ جب جنس مختلف ہو، مثلاً سونا چاندی سے یا پاکستانی روپیہ ڈالر سے بدلا جائے تو مقدار میں کمی بیشی جائز ہے کیونکہ دونوں کی قیمتیں الگ الگ ہیں، مگر تقابض پھر بھی شرط رہے گا۔

فلوس اور کاغذی کرنسی کا حکم

ہدایہ کے زمانے میں درہم و دینار اصل نقود تھے مگر فقہاء نے "فلوس" یعنی تانبے کے سکوں پر بھی بحث کی ہے جو عرف کی وجہ سے ثمن بن جاتے تھے۔ فقہاء کا اصول ہے کہ جو چیز عرفاً ثمن بن جائے وہ ثمن کے حکم میں آ جاتی ہے۔ اسی اصول پر آج کی کاغذی کرنسی اور بینک نوٹ مستقل ثمن عرفی ہیں؛ ان کے باہمی تبادلے میں صرف کے احکام لاگو

ہوں گے: ایک ہی کرنسی کا تبادلہ برابر برابر اور نقد بنقد ہو گا، جیسے ہزار روپے کا نوٹ سو سو کے دس نوٹوں سے بدلنا درست ہے مگر ہزار کے بدلے نو سو لینا سود ہے، چاہے اسے "کٹوتی" یا "سروس چارج" کا نام دیا جائے؛ ہاں اصل خدمت مثلاً منتقلی کی الگ حقیقی فیس مخصوص صورتوں میں الگ بحث رکھتی ہے۔ مختلف کرنسیوں کا تبادلہ بازار کے بھاؤ پر کم و بیش ہو سکتا ہے مگر نقد بنقد ہونا لازمی ہے، اور فارورڈ کے معاملات جہاں قبضہ نہ ہو اور محض مستقبل کی قیمت پر سٹہ ہو، اسی تقابض و غرر کی بنیاد پر ناجائز قرار پاتے ہیں۔

صرف سے متعلق مزید احکام

صرف کے چند فرعی احکام بھی اہم ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس سے قبل از قبضہ نہ ہو سکا تو صرف پوری بیع فاسد ہو جاتی ہے، آدھی درست نہیں رہتی۔ دوسرا یہ کہ اگر ایک طرف کا عوض معین نقد ہو اور دوسری طرف دین ہو تو بھی مجلس میں اس کا قبضہ متعین کرنا ہوتا ہے، ورنہ بیع نہیں ہو گی۔ تیسرا یہ کہ مشترکہ یا مخلوط مال میں صرف سے پہلے حصے جدا کرنا ضروری ہے تاکہ برابری و قبضہ ممکن ہو۔ چوتھا یہ کہ زیور بیچنے میں سونے کی مقدار معلوم ہوتی ہے؛ جب زیور کرنسی سے خریدا جائے تو یہ عام بیع ہے مگر جب اس کا تبادلہ سونے سے ہو تو صرف کے قواعد آئیں گے اور عام طور پر علماء پرانے زیور کو نقد بیچ کر نیا الگ سے خریدنے کا طریقہ بتاتے ہیں تاکہ ربا کا شبہ بھی نہ رہے۔ پانچواں یہ کہ صرف میں وکیل بھیجنا جائز ہے اور وکیل کا مجلس میں قبضہ موکل ہی کا قبضہ شمار ہوتا ہے۔

جدول: بیع الصرف کے احکام کا خلاصہ

صورت	حکم	شرط / وجہ
سونا سونے سے	جائز بشرط برابری	وزن برابر + تقابض، ورنہ ربا الفضل
چاندی چاندی سے	جائز بشرط برابری	وزن برابر + تقابض
سونا چاندی سے	جائز، کمی بیشی ہو سکتی ہے	تقابض ضروری، تماثل نہیں
روپیہ ڈالر سے	جائز، ریٹ کے مطابق	مجلس میں تقابض ضروری

ایک کرنسی اسی سے ادھار	ناجائز	ربا النسیئۃ
نقد دے کر ادائیگی مؤخر	ناجائز	تقابض فی المجلس فوت

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ بیع الصرف نقد کے نقد سے تبادلے کا نام ہے اور اس کی جان دو شرطیں ہیں: مجلس میں تقابض اور ہم جنس میں تماثل۔ ان دو شرطوں کے پیچھے شریعت کی حکمت یہ ہے کہ نقدی معاملات سود کے ہر راستے سے پاک رہیں، کیونکہ سود معاشرے میں ظلم و فساد کی جڑ ہے۔ ہدایہ کی روشنی میں آج کا ہر صراف، جیولر اور کرنسی ڈیلر اسی پیمانے پر پرکھا جائے گا: جنس ایک ہے تو برابر اور نقد، جنس الگ ہے تو ریٹ آزاد مگر قبضہ فوری۔ ان اصولوں کی پابندی سود سے بچاؤ بھی ہے اور کاروبار میں برکت کا ذریعہ بھی۔

سوال نمبر 3: ہدایہ کی روشنی میں الکفالہ (ضمانت) (20 نمبر)

سوال نمبر 3: ہدایہ کی روشنی میں الکفالۃ پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

تعارف

قرض اور ادھار کے معاملات میں سب سے بڑا مسئلہ اعتماد کا ہوتا ہے: قرض دینے والا چاہتا ہے کہ اس کا مال محفوظ رہے۔ اس اعتماد کو پائیدار بنانے کے لیے شریعت نے "کفالہ" یعنی ضمانت کا نظام دیا ہے، جس میں ایک تیسرا شخص قرض دار کی ذمہ داری میں شامل ہو جاتا ہے۔ کفالہ تجارت، قرض، ضمانت عدالت اور سرکاری ٹھیکوں تک ہر جگہ استعمال ہوتا ہے۔ ہدایہ میں "کتاب الکفالۃ" کے تحت اس کی تعریف، اقسام، شرائط اور احکام تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ذیل میں انہی کی روشنی میں کفالہ کا جامع نوٹ پیش کیا جاتا ہے۔

کفالہ کی تعریف اور اصطلاحات

کفالہ کے لغوی معنی ہیں ضم کرنا، شامل کرنا اور ذمہ داری اٹھانا۔ فقہی تعریف ہدایہ نے یوں کی ہے: "الکفالۃ ضم ذمۃ إلی ذمۃ فی المطالبۃ" یعنی مطالبے میں ایک ذمے کو دوسرے ذمے کے ساتھ ملا دینا۔ ضمانت دینے والا "کفیل"، جس کی ضمانت دی جائے وہ "مکفول عنہ" یا "اصیل"، جس کے حق میں ضمانت دی جائے وہ "مکفول لہ" اور جس چیز کی ضمانت ہو وہ "مکفول بہ" کہلاتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں "وأنا بہ زعیم" کے الفاظ کفیل کے معنی میں آئے ہیں، اور حدیث میں ارشاد ہے: "الزعیم غارم" یعنی ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔ اس تعریف سے واضح ہے کہ کفالہ میں اصل ذمہ داری بری نہیں ہوتا بلکہ کفیل کا ذمہ اس کے ساتھ جڑ جاتا ہے، یہی نکتہ کفالے کو حوالے سے الگ کرتا ہے۔

کفالہ کی اقسام

کفالہ کی بڑی قسمیں چار ہیں۔ اول کفالہ بالنفس: کسی شخص کو مقررہ وقت پر پیش کرنے کی ضمانت، مثلاً ملزم کو عدالت میں حاضر کرنے کی ضمانت؛ اس میں کفیل کی ذمہ داری حاضری تک ہے۔ دوم کفالہ بالمال: مال یعنی قرض کی ادائیگی کی ضمانت؛ اس میں کفیل سے بھی اصل رقم کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔ سوم کفالہ بالدرک: کسی چیز کے مستحق ثابت ہونے یا عیب کے دعوے میں نقصان کی ضمانت، جو عام طور پر جائیداد و سامان کی فروخت میں لی جاتی ہے۔ چہارم کفالہ بالتسلیم: مبیع یا مقبوض چیز کو مالک کے حوالے کرنے کی ضمانت۔ ان کے علاوہ کفالہ منجز بھی ہوتی ہے اور معلق و مضاف بھی؛ کفالہ کو کسی شرط یا مستقبل کے وقت کے ساتھ معلق کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، مثلاً یہ کہنا کہ اگر فلاں کل نہ آیا تو میں اس کے قرض کا ضامن ہوں۔

جدول: کفالہ کی اقسام

قسم	مکفول بہ	کفیل کی ذمہ داری
کفالہ بالنفس	شخص کی حاضری	مقررہ وقت پر مکفول عنہ کو پیش کرنا

کفالہ بالمال	قرض / رقم	اصیل کے ساتھ ادائیگی کا ضامن ہونا
کفالہ بالدرک	استحقاق و عیب کا نقصان	دعویٰ ثابت ہو تو تاوان ادا کرنا
کفالہ التسلیم	چیز کی سپردگی	مبیع / چیز مالک کو سپرد کرنا

کفالہ کی شرائط

کفالہ کی صحت کے لیے چند شرائط ہیں۔ کفیل کا اہلِ تبرع ہونا ضروری ہے، یعنی بالغ و عاقل ہو؛ نابالغ یا مجنون کی کفالہ درست نہیں کیونکہ کفالہ ایک قسم کا تبرع ہے۔ مکفول بہ کا مالِ مضمون یا ایسا حق ہونا چاہیے جس کا مطالبہ ممکن ہو؛ جس چیز کا وجود ہی نہ ہو یا جو قابلِ ضمان نہ ہو اس کی کفالہ نہیں ہو سکتی۔ کفالہ بالمال کے لیے مکفول عنہ کی رضا شرط نہیں، کوئی شخص کسی کے کہے بغیر بھی اس کے قرض کی ضمانت دے سکتا ہے، البتہ رجوع کا حق اسی وقت ملے گا جب کفالت مکفول عنہ کے حکم یا اجازت سے کی ہو۔ کفالہ بالنفس میں جس کی حاضری کی ضمانت ہے اس کا معین ہونا اور پیش کیے جانے کے قابل ہونا ضروری ہے۔ مکفول لہ کی قبولیت مجلس میں ہونا ایک بحث طلب مسئلہ ہے جس میں فقہاء نے تفصیل بیان کی ہے۔ کفالہ میں مدت مقرر کرنا بھی جائز ہے؛ مدت کفالت گزرنے سے پہلے دین حال ہو تو کفیل سے بھی اسی کے مطابق مطالبہ ہو گا۔

کفالہ کے احکام و اثرات

کفالہ کا سب سے اہم اثر یہ ہے کہ مکفول لہ کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا مطالبہ اصیل سے کرے یا کفیل سے، یا دونوں سے؛ یہ اس کی سہولت کے لیے ہے کیونکہ دو ذمے اس کے حق کی ضمانت بن گئے ہیں۔ اگر کفیل نے ادائیگی کر دی تو معاملہ ختم ہو گیا، اور اگر اس نے مکفول عنہ کے کہنے پر ضمانت دی تھی تو وہ ادا شدہ رقم کا رجوع اصیل سے کرے گا؛ بغیر اجازت ضمانت دینے والا متبرع شمار ہو گا اور رجوع نہیں کر سکتا۔ اصیل کی براءت سے کفیل بھی بری ہو جاتا ہے کیونکہ کفالہ تابع ہے؛ لیکن کفیل کی براءت سے اصیل بری نہیں ہوتا، کیونکہ اصل دین باقی رہتا ہے۔ اسی طرح مکفول لہ اگر کفیل کو مدت دے تو اس کا فائدہ اصیل کو بھی ملتا ہے کیونکہ مطالبہ ہی مؤخر ہو گیا۔ کفیل کی موت کی صورت

میں اس کے ترکہ سے ضمانت پوری کی جائے گی اگر دین حال ہو چکا ہو۔ کفالہ بالنفس میں کفیل مقررہ جگہ و وقت پر مکفول عنہ کو پیش کر دے تو ذمہ داری ختم؛ پیش نہ کر سکے تو اسے قید کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ وہ پیش کرے یا اپنے عذر کو ثابت کرے، اور مکفول عنہ کی موت سے نفس کی کفالہ ختم ہو جاتی ہے۔

دور حاضر میں کفالہ کی صورتیں

آج کی زندگی میں کفالہ کی بے شمار صورتیں موجود ہیں: بینک گارنٹی، ضمانت نامے، کوٹھے پر ضامن بننا، ملازمت میں حاضری کی ضمانت، سرکاری ٹھیکوں میں پرفارمنس بانڈ اور کسی کے قرض پر دستخط کرنا۔ شرعی نقطہ نظر سے ہر مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ضامن بننا محض رسم نہیں بلکہ حقیقی مالی ذمہ داری ہے؛ حدیث کے الفاظ "الزعیم غارم" اسی کو بیان کرتے ہیں۔ اس لیے ضمانت دینے سے پہلے اصل شخص کی استطاعت اور اپنی حیثیت کو تولنا چاہیے۔ دوسری طرف کفالہ کا نظام معاشرے میں خیر خواہی اور تعاون کی عظیم مثال ہے: صاحب حیثیت لوگوں کی ضمانت سے کمزور طبقے کو قرض اور کاروبار کے مواقع مل جاتے ہیں، یہی اس کا مقصد ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ کفالہ مطالبے میں کفیل کے ذمے کو اصیل کے ذمے کے ساتھ جوڑنے کا نام ہے، اور اس کی اقسام نفس، مال، درک اور تسلیم ہیں۔ اس کے نتیجے میں مکفول لہ کو دو ذموں سے مطالبے کا حق ملتا ہے، ادائیگی کرنے والے کفیل کو اجازت کی صورت میں رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور اصیل کی براءت کفیل کو بھی بری کر دیتی ہے۔ کفالہ اسلامی معاملات میں اعتماد کی بنیاد اور ضرورت مندوں کے لیے سہارا ہے، بشرطیکہ اسے ذمہ داری سمجھ کر اختیار کیا جائے۔

سوال نمبر 4: ہدایہ کی روشنی میں آداب القاضی (قاضی کے آداب) (20 نمبر)

سوال نمبر 4: ہدایہ کی روشنی میں آداب القاضی پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

تعارف

قضایعنی فیصلہ کرنا انبیاء کرام کا منصب اور معاشرے میں عدل قائم کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ قاضی کے ایک جملے سے کسی کا حق ملتا ہے اور کسی کا باطل دعویٰ ختم ہوتا ہے؛ اس لیے اس منصب کے لیے علم کے ساتھ ساتھ خاص آداب و اخلاق بھی مقرر کیے گئے ہیں۔ ہدایہ کے کتاب القضاء میں جہاں قاضی کی شرائط بیان ہوئی ہیں، وہیں اس کے آداب بھی تفصیل سے آئے ہیں جن کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور خطبہ قضا پر ہے جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔ ذیل میں قاضی کے آداب بیان کیے جاتے ہیں۔

قاضی کی بنیادی شرائط بطور پس منظر

آداب سے پہلے شرائط کا جاننا مفید ہے۔ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلم، بالغ، عاقل، آزاد اور عادل ہو، فقہ کا علم رکھتا ہو، مجتہد ہو یا اہل علم سے پوچھ کر فیصلہ کرنے والا مقلد ہو، اور سننے و دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ فریقین کی بات اور شہادت کو سمجھ سکے۔ جس طرح ایک ظالم و فاسق کو یہ منصب نہیں مل سکتا اسی طرح نااہل کی تقرری بھی نظام عدل کو تباہ کر دیتی ہے۔ ان شرائط کے بعد جن آداب کی پابندی قاضی پر لازم آتی ہے وہ درحقیقت اسی اہلیت کا عملی اظہار ہیں؛ علم کے باوجود اگر قاضی جانبداری، غصہ یا لالچ کا شکار ہو جائے تو اس کا فیصلہ عدل نہیں رہے گا۔

فریقین کے درمیان مساوات

قاضی کا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ وہ دونوں فریقوں کے درمیان مکمل مساوات برتے: مجلس میں بٹھانے میں، بات سننے میں، نظر میں اور اشارے میں۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ جسے قضا کی آزمائش میں ڈالا جائے وہ فریقین کے درمیان مجلس، اشارے اور نظر میں برابری کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی ایک فریق کو اپنے قریب بٹھا کر دوسرے کو دور کھڑا نہ کرے، ایک کی بات دھیان سے سنے اور دوسرے کو ٹوکتا رہے، یا ایک کی طرف مسکرا کر دیکھے اور دوسرے کی طرف ترش روئی سے۔ امیر و غریب،

مسلم و غیر مسلم، حاکم و محکوم سب عدالت میں برابر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں لکھا: لوگوں کے درمیان اپنے چہرے، عدل اور مجلس میں برابری رکھو تاکہ شریف آدمی تمہارے جھکاؤ کی طمع نہ کرے اور کمزور تمہارے عدل سے مایوس نہ ہو۔

رشوت، ہدیہ اور ذاتی تعلقات سے پرہیز

قاضی کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ رشوت سے کلیتاً دور رہے، کیونکہ رشوت لینے و دینے والے پر لعنت آئی ہے اور رشوت عدل کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ ہدیے کا معاملہ بھی نازک ہے: قاضی ہونے کے بعد کسی ایسے شخص سے ہدیہ نہ لے جو پہلے ہدیہ نہ دیتا تھا، اور نزاع کے فریقوں سے تو بالکل نہ لے، کیونکہ یہ دل کو مائل کرتا ہے؛ صرف قریبی رشتہ دار یا وہ شخص جس کی عادت پہلے سے ہدیہ دینے کی ہو اور عدالت میں اس کا کام نہ ہو، اس سے معمولی ہدیے میں گنجائش بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح قاضی فریقین میں سے کسی کی خصوصی دعوت قبول نہ کرے، ان سے قرض و خرید و فروخت جیسا لین دین نہ کرے، اور اپنے اہل و غلام کو بھی اس سے روکے، تاکہ رائے عامہ میں بھی عدالت کی ساکھ برقرار رہے۔

غصے، جلد بازی اور یک طرفہ سماعت سے اجتناب

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی قاضی غصے کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے، کیونکہ غصہ عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ اسی طرح بھوک، نیند کی غلبہ، تنگی اور ذہنی انتشار کی حالت میں بھی فیصلہ مؤخر کرنا آداب میں شامل ہے۔ قاضی دونوں فریقوں کی موجودگی میں سماعت کرے؛ ایک فریق کی بات سن کر دوسرے کو سنے بغیر فیصلہ نہ دے، کیونکہ ہو سکتا ہے غائب فریق کے پاس جواب موجود ہو۔ مدعی سے بینہ مانگنا اور مدعا علیہ کو قسم کا حق دینا بھی اسی عدل کا حصہ ہے۔ صلح کی کوشش کرنا قاضی کے لیے مستحسن ہے مگر صلح فریقین کو دباؤ سے قبول نہ کرائی جائے، اور حدود و حق اللہ کے معاملات میں صلح کی گنجائش نہیں۔ جذبات، رشتہ داری یا عوامی دباؤ سے متاثر ہونا قاضی کے شایانِ شان نہیں۔

مجلس، مشاورت اور فیصلے کا اہتمام

قاضی کی مجلس وقار و سکون کی جگہ ہونی چاہیے؛ فقہاء نے مسجد میں عدالت لگانے کو جائز بلکہ بہتر کہا ہے تاکہ ہر شخص با آسانی رسائی حاصل کرے اور کسی کو داخلے سے روکا نہ جائے۔ قاضی اہل علم سے مشورہ کرے، خاص طور پر مسئلہ مفقودات میں، کیونکہ مشورہ عدل تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ فیصلہ لکھوانا (سجل محفوظ کرنا) بھی آداب میں سے ہے تاکہ بعد میں جائزہ اور نفاذ ممکن ہو۔ قاضی نماز و جمعہ جیسے امور میں عام لوگوں کے ساتھ شریک رہے اور اپنے آپ کو عوام سے کاٹ کر نہ رکھے، البتہ بے تکلف میل جول اس قدر نہ بڑھائے کہ مقدمات میں جانبداری کا رنگ آ جائے۔ قاضی کو اپنے کاتب، ترجمان اور عملے پر بھی نظر رکھنی چاہیے کیونکہ عملے کی بدعنوانی قاضی ہی کے کھاتے میں پڑتی ہے۔ اجتہاد میں خطا ہو جائے تو شارع نے اس پر اجر رکھا ہے، مگر لاپرواہی اور طلب علم میں کوتاہی کا کوئی عذر نہیں۔

قاضی کی ذاتی زندگی اور عوامی ساکھ

آداب القاضی کا ایک اہم پہلو قاضی کی ذاتی زندگی بھی ہے۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ بازاروں میں بے تکلف گھومنے پھرنے، اہل خصومت کے ساتھ میل جول اور مشکوک مجلسوں سے بچے، کیونکہ اس کا ہر قدم عوام کی نظر میں ہوتا ہے اور اس کی معمولی لغزش بھی نظام عدل پر انگلی اٹھوا دیتی ہے۔ فقہاء نے اسے اس بات کی بھی تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مقدمات کے فریقین سے ہدیہ و تحفہ تو دور، ان کی ضیافت تک قبول نہ کرے، اپنی تجارت و غلہ فروشی جیسے کاموں سے علیحدہ رہے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اس نے منصب کو ذاتی فائدے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسی طرح اسے فیصلے میں جلد بازی کے بجائے تحمل، علم میں کمی ہو تو اہل علم سے استفتاء اور سماعت میں نرمی و وقار کا توازن رکھنا چاہیے؛ سخت لہجہ گواہوں کو سچ بولنے سے روک دیتا ہے اور نرمی کی زیادتی عدالت کا رعب ختم کر دیتی ہے۔ جو قاضی ان آداب کی حفاظت کرتا ہے اس کی ذات عدل کی علامت بن جاتی ہے اور لوگ اس کے فیصلے کو دل سے قبول کرتے ہیں، اور یہی قبولیت کسی بھی نظام قضا کی اصل طاقت ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہدایہ کی روشنی میں قاضی کے آداب کا محور عدل، مساوات اور بے لوثی ہے: فریقین کے درمیان نشست و سماعت میں برابری، رشوت و ہدیے سے پرہیز، غصے اور جلد بازی سے دوری، دونوں طرف کی مکمل سماعت، اہل علم سے مشورہ اور فیصلے کا باقاعدہ اندراج۔ جس قاضی میں یہ آداب پائے جائیں اس کی عدالت اللہ کی مدد اور عوام کے اعتماد کی حقدار ہوتی ہے۔ یہ آداب محض قدیم تاریخ نہیں بلکہ آج کے ہر جج، ثالث اور ادارہ جاتی فیصلہ ساز کے لیے بھی مکمل ضابطہ اخلاق ہیں۔

سوال نمبر 5: ہدایہ کی عبارت کی وضاحت — حدود و قصاص میں تحکیم کی ممانعت (20 نمبر)

سوال نمبر 5: ہدایہ کی درج ذیل عبارت کی وضاحت کریں: "ولا یجوز التحکیم فی الحدود والقصاص"۔

تعارف

یہ عبارت ہدایہ کے کتاب القضاء میں تحکیم یعنی ثالثی کے بیان سے متعلق ہے۔ روزمرہ تنازعات میں لوگ باقاعدہ عدالت کے بجائے کسی باوثوق شخص کو ثالث بنا کر فیصلہ کرانا چاہتے ہیں، اور اسلام نے مالی و باہمی تنازعات میں اس کا دروازہ کھلا رکھا ہے، لیکن ہر معاملہ ثالثی کے قابل نہیں۔ زیر بحث عبارت اسی حد بندی کو بیان کرتی ہے کہ حدود اور قصاص میں تحکیم جائز نہیں۔ ذیل میں تحکیم کا مفہوم، اس کا عمومی جواز اور پھر حدود و قصاص سے استثناء کی وجوہ تفصیل سے بیان کی جاتی ہیں۔

تحکیم کی تعریف اور عمومی حکم

تحکیم سے مراد یہ ہے کہ دو متنازع فریق کسی تیسرے شخص کو "حَکَم" یعنی ثالث مقرر کریں کہ وہ ان کے تنازع کا فیصلہ کر دے اور دونوں اس کے فیصلے کو ماننے کے پابند ہوں۔ قرآن مجید میں میاں بیوی کے تنازع کے لیے حکم مقرر کرنے کا حکم آیا ہے: "فابعثوا حکماً من اَھلہ و حکماً من اَھلھا"۔ حنفیہ کے نزدیک تحکیم ان تمام معاملات میں جائز ہے جن میں صلح جائز ہے، یعنی حقوق العباد و مالی تنازعات؛ اور حکم کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو قاضی کے لیے ہیں: مسلم، بالغ، عاقل اور عادل ہونا۔ حکم کا فیصلہ فریقین پر اسی طرح

لازم ہوتا ہے جیسے قاضی کا فیصلہ، اور قاضی بعد میں اسے اسی صورت میں رد کر سکتا ہے جب وہ کتاب و سنت، اجماع یا ظاہر قیاس کے خلاف ہو۔ فریقین فیصلے سے پہلے حکم کو معزول بھی کر سکتے ہیں، مگر فیصلہ صادر ہونے کے بعد اس کی پابندی واجب ہو جاتی ہے۔

عبارت کا ترجمہ اور مفہوم

عبارت کا سادہ ترجمہ ہے: "اور حدود اور قصاص میں تحکیم جائز نہیں۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی نے زنا، چوری، قذف یا شراب نوشی جیسی حد کا جرم کیا ہو تو دو فریق مل کر کسی شخص کو ثالث بنا کر اس پر حد لگانے یا چھڑانے کا فیصلہ نہیں کر سکتے؛ اور اسی طرح قتل عمد جرم کے قصاص میں بھی فریقین کسی حکم کے ذریعے قصاص کا نفاذ یا اس کی نوعیت طے نہیں کر سکتے۔ یہ معاملے باقاعدہ قاضی اور امام (حکومت) کی عمل داری میں ہیں۔ البتہ قصاص کے معاملے میں مقتول کے اولیاء کو معاف کرنے یا دیت پر صلح کرنے کا جو اختیار شرع نے دیا ہے وہ تحکیم سے الگ چیز ہے؛ وہ ذاتی حق کی معافی ہے، کسی ثالث کو سزا سنانے کی ولایت دینا نہیں۔

حدود میں تحکیم کی ممانعت کی وجوہ

حدود میں ممانعت کی کئی وجوہ ہیں۔ اول: حدود حقوق اللہ ہیں، یعنی ان کا حق معاشرے اور اللہ کے نظام کو ہے، کسی فرد کا ذاتی حق نہیں کہ وہ اسے معاف کرے یا اس پر سمجھوتہ کرے، اور تحکیم بنیادی طور پر فریقین کے اختیار سے قائم ہوتی ہے جبکہ حق اللہ میں کسی کو اختیار ہی نہیں۔ دوم: حدود کا نفاذ امام اور اس کے مقرر کردہ قاضی کا کام ہے؛ ولایت عامہ کے بغیر کوئی شخص سزا نافذ کرے تو فساد اور خود رائی پھیلے گی، ہر گروہ اپنے پسندیدہ افراد کو سزائیں دینے لگے گا۔ سوم: حدود میں شبہ کی ذرا سی گنجائش بھی سزا کو ساقط کر دیتی ہے، "ادرؤوا الحدود بالشبہات"، اور ان کے اثبات کے لیے شہادت و سماعت کا سخت معیار مقرر ہے؛ غیر رسمی فورم اس معیار کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ چہارم: حد کے مقدمے میں مدعی انفرادی نہیں ہوتا کہ وہ حکم مقرر کرے؛ قذف جیسی چند صورتوں میں مقذوف کی شکایت شرط ضرور ہے مگر فیصلہ و نفاذ پھر بھی قاضی ہی کا کام ہے۔

قصاص میں تحکیم کی ممانعت کی وجوہ

قصاص اگرچہ مقتول کے اولیاء کے حق سے متعلق ہے، مگر اس میں بھی تحکیم جائز نہیں۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ قصاص میں سزا کا تعین شریعت نے مشابہت و مماثلت کے سخت اصول سے کیا ہے اور اس کا نفاذ بھی ریاستی نگرانی سے ہوتا ہے؛ ثالث کو اگر قصاص کی نوعیت، مثلاً کس آلے سے اور کس طریقے سے لیا جائے، کا اختیار دے دیا جائے تو جانی خطرہ اور زیادتی ممکن ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ قصاص کے معاملے میں اولیاء کو پہلے سے شرعی اختیارات حاصل ہیں: وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں، معاف کر سکتے ہیں یا دیت پر صلح کر سکتے ہیں۔ جب شرع نے انہیں براہِ راست اختیارات دے دیے تو کسی حکم کی ولایت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ قتل کے مقدمے میں عوامی پہلو بھی ہوتا ہے: بعض اوقات قاتل کے علاوہ ورثاء کی کمی یا نابالغ وارثوں کے حقوق بھی شامل ہوتے ہیں، جن کی حفاظت صرف باقاعدہ عدالت کر سکتی ہے۔ یہی حکم دیت کی مقدار کے تعین کے لیے تحکیم پر بھی لاگو ہوتا ہے جب وہ قصاص کے متبادل کے طور پر ہو؛ البتہ خالص مالی دعوئوں میں ثالثی ہمیشہ کھلی ہے۔

جائز تحکیم کا دائرہ اور جدید اطلاق

اس استثناء کے برعکس باقی تمام باہمی تنازعات میں تحکیم ایک مفید اور تیز ترین ذریعہ ہے: تجارتی اختلافات، شراکت کا حساب، جائیداد کی تقسیم کے مالی پہلو، اجارہ و مزدوری کے جھگڑے اور خاندانی مالی معاملات سب میں ثالثی ہو سکتی ہے۔ آج کل دنیا بھر میں arbitration کے نام سے یہی نظام رائج ہے اور عدالتی بوجھ کم کرنے کا ذریعہ ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے اس کا فائدہ یہ ہے کہ عدالتیں سنگین جرائم اور عمومی نظام پر توجہ دے سکتی ہیں۔ البتہ آج بھی اصول یہی ہے کہ فوجداری جرائم، جن میں ریاست مدعی ہوتی ہے، کو نجی ثالثی سے طے نہیں کیا جا سکتا، اور یہی ہدایہ کی عبارت کا جدید قانون پر اطلاق ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر فریقین حدود یا قصاص کے معاملے میں حکم مقرر کر بھی لیں اور وہ کوئی فیصلہ دے دے، تو وہ فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہو گا اور قاضی اسے کالعدم قرار دے گا، جبکہ مالی فیصلوں میں حکم کا فیصلہ قاضی کے فیصلے جیسی حیثیت رکھتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عبارت "ولا یجوز التحکیم فی الحدود والقصاص" یہ اصول سکھاتی ہے کہ ثالثی کا اختیار وہاں تک ہے جہاں حقوق العباد اور فریقین کا ذاتی اختیار چلتا ہے؛ حدود حق اللہ ہونے اور قصاص نفاذِ ولایت کا متقاضی ہونے کی وجہ سے ان میں کسی نجی شخص کو فیصلے کی ولایت نہیں دی جا سکتی۔ ان معاملات کا فیصلہ و نفاذ صرف امام اور اس کے مقرر کردہ قاضی کا حق ہے۔ اس تقسیم سے اسلامی نظامِ عدل کا توازن ظاہر ہوتا ہے: مالی معاملات میں سہولت و سرعت، اور جان و عزت سے متعلق سزاؤں میں مکمل احتیاط و ریاستی ضبط۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com